علمدارِ کربلا علیہ السلام

حضرتِ عباس علیہ السلام

پبلشرز:-

غلام حسین لون (باغوان پورہ)

بہ حسنِ اہتمام:- (مترجم) آغا عنایت

معذرت

جناب یوسف این لال جی (بمبئی) کے انگریزی کتابچہ
موسوم بہ "حضرت عباسؑ" کا راقم نے اپنی بے بضاعتی کے
باوجود اردو میں ترجمہ کیا۔ جناب اکبر جے پوری صاحب نے
ادبی لحاظ سے اسکی عبارت میں تسلسل اور روانی پیدا کی۔
جس کے لئے میں ان کا بے حد مشکور ہوں۔ میں جناب محمد اسحاق
کا بھی بے حد مشکور ہوں جنہوں نے اس کتابچہ کی ترتیب
دینے میں میری مدد کی۔ چونکہ ایک زبان سے دوسری زبان
میں ترجمہ کرنا آسان کام نہیں۔ کوشش یہ کی گئی کہ
انگریزی کتابچہ کے مفہوم و مضمون کو کوئی زک نہ پہنچے جس
میں یقیناً واقعات زیادہ موثر انداز میں درج ہیں۔ یہ کہنا
مشکل ہے کہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوئی ہوگی۔ ممکن
ہے کہ خامیاں رہ گئی ہوں جس کے لئے مترجم معافی کا خواستگار
ہے اور احباب نظر سے توقع ہے کہ جسارت اور لغزشوں کو
معاف فرمائیں گے۔

ناچیز مترجم:-

آغا عنایت

فہرستِ مضامین

حضرت عباس علمدار علیہ السلام

اسم مبارک :- عباسؑ

خطاب :- قمر بنی ہاشم (قبیلہ بنی ہاشم کا روشن چاند)

کنیت :- ابو الفضل

ولادت :- بمقام مدینہ منورہ بتاریخ ۷ رماہ رجب سنہ ۲۶ھ
مطابق سنہ ۶۴۵ء

والد بزرگوار :- حضرت علی بن ابی طالبؑ

والدہؑ معظمہ :- حضرت فاطمہؑ بنت حزم بن خالد

شہادت :- ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ مطابق سنہ ۶۸۰ء بمقام کربلا

سن شریف :- ۳۵ سال

روضۂ پاک :- کربلائے معلی

تعارف

حضرت عباس علیہ السّلام امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کے فرزند تھے۔ ان کی والدہ محترمہ کا اسم مبارک حضرت فاطمہ بنت حزم بن خالد تھا جو "ام البنینؑ" کہلاتی تھیں۔ بنو کلاب کے قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ہاشمیوں میں سیّدالانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد ان کا قبیلہ سب سے زیادہ عظمت و شرافت والا قبیلہ تھا جو شجاعت و بہادری میں مشہور تھا۔

حضرت فاطمہ بنت حزم ایک اوصاف حمیدہ اور نیک خصائل رکھنے والی سلیقہ مند خاتون تھیں۔ آپ شیر خداؑ کے چار فرزندوں کی والدہ تھیں۔ عباسؑ، عبداللہؑ، جعفرؑ اور عثمانؑ۔ ان چاروں صاحبزادوں نے حضرت امام حسین علیہ السّلام کی رفاقت میں میدان کربلا میں جام شہادت نوش کیا۔ معرکۂ کربلا کے بعد حضرت فاطمہ بنت حزم نے لوگوں سے استدعا کی کہ وہ آپ کو آئندہ ام البنین کے نام سے نہ پکاریں۔

لہ ام البنین کے معنی ہیں فرزندوں کی والدہ۔ چونکہ آپ کے بطن سے حضرت علی مرتضیٰؑ کے چار بیٹے ہوئے اسلئے انہیں ام البنین کے نام سے پکارا

جس دن وہ حضرتِ علی مرتضٰےؑ کے حرم میں داخل ہوئیں، تو آپ نے حضرتِ امام حسنؑ اور حضرتِ امام حسین علیہما السلام پر واضح فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو ان دونوں شہزادوں کی ایک وفادار خادمہ بلکہ کنیز تصور کرتی ہے اور التجا کرتی ہے کہ وہ اُسے اسی حیثیت میں قبول فرمائیں۔ حضرت ام البنینؑ کی مادرانہ شفقت اور پُر خلوص محبت نے حسنین علیہما السلام کے دلوں میں بھی اُن کے لئے جذبۂ احترام پیدا کیا اور صاحبِ اولاد ہونے کے بعد بھی آپ اُن دونوں صاحبزادوں کو دل کی گہرائی سے چاہتی رہیں۔

سرورِ کائناتؐ کے سب سے بہادر اور جری سپاہیوں میں سے ایک حضرت جعفر طیارؑ، حضرت علی مرتضٰےؑ کے سگے بھائی تھے۔ جنگ موطہ میں انہوں نے پرچم اسلام سنبھالا اور فوج کے علمدار بنے۔ دشمنوں کی کثیر تعداد نے گھیر کر انہیں شہید کر دیا۔

اُن کی شہادت کی خبر سُن کر سرورِ کائناتؐ آبدیدہ ہوئے اور اُن کی روح کے لئے دعا فرمائی۔ حضرت جبرئیل امین نے نازل ہو کر محبوب ربّ العالمین سیّد المرسلینؐ کو دلاسا دیتے ہوئے کہا کہ جعفر طیارؑ ایک بہادر اور وفادار غازی ہے۔ اللہ پاک نے اُن کو دائمی زندگی عطا کی اور جنگ میں کٹے ہوئے دو بازوؤں کے بدلے انہیں دو پر بخشے گئے۔"

جاتا تھا اور یہ کنیت اُن کے اصلی نام سے مشہور ہے۔

اس وقت حضرتِ علی مرتضےٰ ؑ جناب سرورِ کائنات ؐ کے قریب تشریف فرما تھے۔ عرض کیا "اے رسول ؐ! دُعا فرمایئے کہ میں بھی اسلام کی خاطر جہاد کرتے ہوئے شہادت پاؤں"۔ سردارِ انبیاء ؐ نے فرمایا کہ "اے علی ؑ! آپ کی موت پہلے ہی معیّن کی جا چکی ہے۔ آپ خانہ خدا میں سجدۂ خالق کے دوران شہادت پائینگے لیکن خدا آپ کو ایک فرزند عطا کرے گا جو یوم عاشورہ دینِ حق کے لئے جہاد کرتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز ہوگا"۔ اس دن سے امیر المومنین علی مرتضےٰ ؑ ایسے فرزند کی ولادت کے منتظر رہتے تھے۔

(یہ واقعہ غالباً ۸ھ کا ہے جبکہ حضرتِ امام حسن ؑ کا سنِ شریف ۵ سال اور حضرت امام حسین ؑ کا ۴ سال تھا)

ولادت

حضرتِ عباس ؑ علیہ السّلام کی ولادت ساتویں رجب ۲۶ھ (مطابق ۶۴۵ء) مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اس خبر کو سنتے ہی حضرت علی مرتضےٰ ؑ نے کمال عجز و انکسار سے بارگاہِ ذوالجلال میں سجدۂ شکر ادا فرمایا۔ شہزادہ کونین حضرت امام حسین علیہ السّلام نے اپنے ننھے بھائی کو اپنی آغوش میں لے کر دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت سنائی تو اپنے محبوب آقا امامِ حسین علیہ السلام

کے چہرۂ پرنور کی زیارت کے لئے تو زائیدہ بچے نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔

ساتویں دن عقیقہ کی رسم ادا کی گئی۔ شیرِ خدا علی مرتضےٰؑ نے اپنے فرزند کا نام عباسؑ[1] رکھا۔

اسی قسم کا واقعہ مولودِ کعبہ حضرتِ علی مرتضےٰ علیہ السلام کی ولادت کے دن بھی پیش آیا۔ انہوں نے بھی اسی وقت چشمان مبارک کھول لیں۔ جب جنابِ رسولِ خدا حضرت محمد مصطفےٰؐ نے انہیں آغوشِ مبارک میں لیا۔ جس طرح علی مرتضیٰؑ شمعِ رسالتؐ کے پروانہ تھے، حضرتِ عباسؑ شمعِ امامت کے پروانہ۔

پرورش

شیرِ کردگار حیدرِ کرارؑ کی خواہش تھی کہ اُن کا یہ فرزند عباس اپنے نام کے حقیقی معنوں میں دلیرانہ خصائل والا اور جرأت و دلاوری میں بے مثل ہو۔ حق و صداقت کی بے باک حمایت میں جان کی بازی لگانے والا بنے۔ وہ بھی چاہتے تھے کہ حضرت عباسؑ اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے مستقل ساتھی اور معرکۂ کربلا میں فوجِ حسینیؑ کے علمدار بنیں۔

---

[1] عباسؑ کے لفظی معنی ہیں شیرِ ببر۔ بے خوف بہادر شیر۔

حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام نے جنھیں شیرِ کردگار اور باب مدینۂ علمِ نبیؐ بھی کہا جاتا ہے اپنے عزیز فرزند حضرت عباسؑ کی تعلیم و تربیت میں بڑی دلچسپی لی۔ یہاں تک کہ اُن کی عمر چودہ برس کی ہوئی۔ اس کے بعد دس سال حضرت امام حسن علیہ السلام کی نگرانی میں گزرے اور آخری گیارہ برس خامسِ آلِ عبا شہید کربلا امام حسین علیہ السلام کی رفاقت میں۔ اس لیے یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام نے زندگی کے تمام شعبوں میں خصوصی کمال حاصل فرمایا۔ جوانمردی اور شجاعت بے مثال جرأت اور فنِ سپہ گری کے جوہر تو ورثہ میں پائے تھے جن کی دھاک حضرت علی مرتضٰیؑ نے جنگ جمل، صفین اور نہروان میں بٹھا دی تھی۔ امام حسن علیہ السلام سے صبر و تحمل کا درس پایا۔ شیر دلانہ وفاداری، ایثار و قربانی، بے باک دلیری کی صفات برادرِ عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام اور ثانیٔ زہراؑ حضرت زینب کبریٰ کی رفاقت میں حاصل کیں۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضےٰؑ کے چہیتے فرزند اور جوانانِ بہشت کے سردار امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے وفادار بھائی حضرت عباسؑ نے علوم الٰہیہ میں کمال حاصل کرنے کے علاوہ جسمانی، روحانی اخلاقی اور ذہنی طور پر ایسی مقدس اور مقتدر شخصیتوں کی سرپرستی تربیت میں مکمل نشو و نما پائی۔ لہٰذا جو شخص آلِ محمد

کی تربیت سے فیض یاب ہوا اُس کے کمال کا کیا کہنا؟

وہ غریبوں، محتاجوں کی مدد فرماتے تھے اور اسلامی اصول کے مطابق بنی نوع انسان کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اپنے کردار، خیالات اور قول و فعل میں بے لوث تھے اور ہر وقت خدائے قدوس کی رضا کے طلب گار۔ وہ قرآن پاک کی مقدس تعلیمات اور سردار انبیاء جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان کے عین مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔

جس طرح حضرت علی مرتضےٰ ؑ کی تعلیم و تربیت خود سرکارِ دو عالم ؐ نے فرمائی، حضرت عباس علیہ السلام کی تربیت کے فرائض جناب علی مرتضےٰ علیہ السلام نے بہت شوق و انہماک سے انجام دیئے۔ حضرت علی ؑ حیات و ممات کے تمام رازہائے سربستہ سے پوری طرح واقف تھے۔ حضرت عباس علیہ السلام نے مذہب اسلام کے حقیقی جوہر کو مکمل طور پر ذہن نشین فرمایا تھا۔ جس شخص کی پرورش حضرت علی مرتضےٰ ؑ کی آغوشِ تربیت میں ہوئی ہو وہ اس مادی دنیا کی فانی دلکشیوں سے کیسے وابستہ رہتا۔ ایسے شخص کے لئے موت کا کوئی خوف نہیں ہو سکتا۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اپنے کردار سے اس حقیقت کو ثابت کر کے دکھایا۔

حضرتِ عباس علیہ السلام کی شادی اپنے ہی قبیلے کی ایک ممتاز خاتون لبابہ بنت عبداللہ ابن عباس ابن عبدالمطلب سے ہوئی۔

آپ کے دو فرزند فضلؑ اور محمدؑ تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی اہلیہ محترمہ جناب لبابہؑ میدانِ کربلا میں موجود تھیں اور اُن کے فرزند محمدؑ نے کربلا میں شہادت پائی۔

علی مرتضیٰؑ کے بسترِ مرگ پر

شیرِ خدا علی مرتضیٰ علیہ السّلام مسجدِ کوفہ میں ابنِ ملجم کی کاری ضرب سے شدید طور پر زخمی ہو کر بسترِ مرگ پر فروکش تھے۔ آپ نے اپنے اہل بیتؑ کو طلب فرمایا۔

حضرت عباس علیہ السّلام کے علاوہ باقی افرادِ خانہ کو اپنے بڑے فرزند حضرت امام حسن علیہ السّلام کے سپرد فرمایا۔ عباسؑ شاید اس سعادت سے محرومی پر دل شکستہ سے ہوئے ہوں گے۔ اُن کی ہچکیوں کی آواز سُن کر جاں باب باپ نے اپنے نزدیک بُلا کر اپنے دوسرے فرزند حضرت حسین علیہ السّلام کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہوئے فرمایا "حسینؑ! یہ بچہ میں تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ تمہاری عظیم قربانی کے دن یہ میری نمائندگی کرے گا۔ اور اُس دن تمہاری اور تمہارے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی جان قربان کرے گا۔"

پھر اپنے پارۂ جگر عباسؑ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے فرزندِ عزیز عباسؑ! میرے حسینؑ کے ساتھ تمہاری بے پناہ محبّت سے

بخوبی واقف ہوں۔ اگرچہ تم ابھی کم سن ہو مگر یاد رکھنا کہ جب وہ دن آئے گا تو اپنے حسینؑ کی طرح اسلام کی خاطر کسی بھی قربانی سے گریز نہ کرنا۔

یہ ۶۵۹ء کا واقعہ ہے۔ کربلا کی عظیم ترین قربانی کا سانحہ ۶۸۰ء میں واقع ہوا، جبکہ حضرت حسین علیہ السلام کو یزیدی افواج کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ حق و صداقت کی جنگ کفر باطل کے خلاف تھی۔ تاریخ عالم میں معرکہ کربلا بقائے اسلام کے پاکیزہ مقصد کی خاطر ایک بے مثال قربانی، اولوالعزمی اور بلند ہمتی کی درخشندہ مثال ہے۔ حق پرستوں کی مٹھی بھر جماعت کا لاتعداد مسلح سپاہیوں کے ساتھ جو مقابلہ ہوا اس جنگ میں حسینی فوج کے سپہ سالار حضرت عباسؑ تھے۔ انہوں نے اپنے پدر بزرگوار کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے یزید کی طاغوتی قوتوں کا بڑی بے جگری اور دلاوری سے مقابلہ کیا۔

جگر گوشۂ رسولؐ فرزند بتولؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے کم سن بچوں کے لئے پانی لاتے ہوئے ریگ زار کربلا پر ان کی قربانی ایک بہت دلسوز اور دلخراش واقعہ ہے، اور تاریخ عالم میں بہت ممتاز مقام رکھتی ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی، بھائی کیلئے بے پناہ محبت، غیر متزلزل وفاداری اور بے مثال ایثار کی مثال ہے

یہ ایک ایسے غازی دلاور کی کہانی بھی ہے جس نے حق و صداقت کے انمول اصول کی خاطر بڑی بے باکی اور دلیری سے اپنی جان نثار کی۔

ایک عظیم شخصیت

حضرت عباس علیہ السلام بہت خوبرو اور بلند قامت تھے۔ انہوں نے اپنی بے باک دلیری، ہمت و جوانمردی، عزم و استقلال، مضبوط خود اعتمادی اور ایثار و وفاداری کی ممتاز صفات کے باعث بہت سے خطابات حاصل کئے تھے۔ اُن کے حُسن و جمال کے پیش نظر انہیں قمر بنی ہاشم کہا جاتا تھا۔ اُن کی چابک سواری کی وجہ سے اُن کو سیّد الفرسان (شہسواروں کا سردار) کہتے تھے۔

میدانِ کارزار میں اچھی رہنمائی کی قابلیت کی وجہ سے اُن کو رئیس الشجاعان (شیر دل بہادروں کا قائد) کہا جاتا تھا۔ اور جس طریقے سے انہوں نے اپنی جان کربلا کے میدان میں قربان کی، اُن کو افضل الشہداء (شہیدانِ راہِ خدا میں بلند مقام رکھنے والا) کا خطاب ملا۔ انہوں نے کربلا کی المناک جنگ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے پیاسے اطفالِ خورد سال کے لئے پانی حاصل کرنے کی کوشش میں اپنی جان تک نثار کر دی تو سقہ (پانی لانے والے) کا خطاب پایا۔ اِن تمام خطابات کے باوجود ولادت سے آج تک آپ عباسؑ کے

نام سے زبان زدِ خلائق ہیں جس کے معنی شیر جری کے ہیں۔ چونکہ وہ فوج حسینیؑ کے سپہ سالار بنے اور اپنے چچا جعفر طیارؑ اور والد بزرگوار حیدرِ کرارؑ کی طرح انہوں نے حق و باطل کے معرکہ میں روز عاشورہ پرچم اسلام اُٹھایا۔ وہ علمدارِ کربلاؑ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔

صفین کا غازی

حضرت علیؑ کی خواہش تھی کہ حضرت عباسؑ تبلیغ اسلام کریں اور اہلبیت اطہار کی خدمت انجام دیں۔ انہوں نے اِسی نہج پر اُن کی تربیت فرمائی تھی۔ ابھی وہ صرف گیارہ سال کے تھے کہ پہلی بار جنگ میں شریک ہوئے۔ یہ جنگ غزوۂ صفین کے نام سے موسوم ہے۔

ایک دن وہ بھیس بدل کر زرہ بکتر زیب تن کئے، نقاب پوش میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔ جب ابن شاشہ نے جو ایک مشہور بہادر شامی سپاہی تھا ایک نقاب پوش آدمی کو دیکھا تو اپنے سات لڑکوں میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ اس نقاب پوش کا کام تمام کر دے۔ لیکن وہ جونہی اُن کے سامنے آیا تہہ تیغ کر دیا گیا۔ یکے بعد دیگرے اپنے مقتول بھائیوں

کے خون کا قصاص لینے اور اپنے باپ کے حکم کی تعمیل میں باقی چھ بھی اس نقاب پوش سے نبرد آزمائی کرتے ہوئے مارے گئے تو جذبۂ انتقام سے بدحواس ہوکر دیوپیکر شاسہ جیسے اپنی بہادری اور سپہ گری پر نازاں تھا، زخم خوردہ درندے کی طرح جھپٹا مگر کم سن نقاب پوش دلاور کی ایک ہی ضرب سے ڈھیر ہوگیا، تو دیکھنے والوں کو اس منظر پر اس قدر حیرت ہوئی کہ تعجب سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور اکثر کو یہ گمان ہونے لگا کہ شاید یہ نقاب پوش اسداللہ الغالب علی بن ابی طالبؑ ہیں۔ شاسہ جیسے جنگ آزمودہ تیغ زن کے دم زدن میں قتل ہونے کے بعد کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آگے بڑھے۔ لیکن جب حضرت عباسؑ نے نقاب اتار کر پھینکا، تو ماہِ بنی ہاشمؑ کو دیکھ کر انہیں سکتہ سا ہوگیا، کہ وہ حضرت علیؑ نہ تھے۔ بلکہ حضرت عباسؑ تھے جن کو شیرِ خدا حضرت علی مرتضٰےؑ کی بہادری اور جوانمردی کے جوہر ورثہ میں ملتے تھے۔

مظلوم کربلا سے سچی عقیدت

امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کے ساتھ حضرت عباس علیہ السلام کی پرخلوص محبت و عقیدت کا جذبہ اس حد تک تھا کہ وہ اس خاک کا بھی احترام فرماتے تھے جس پر

اُن کے قدم مبارک بڑے ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اُن کے پائے اقدس کی گرد کو بھی آنکھوں سے لگاتے تھے۔

فرزندِ رسولؐ جگر گوشۂ بتولؑ کی کسی فرمائش کی تکمیل میں اگر کوئی اور سبقت کی کوشش کرتا تو وہ بُرا مانتے تھے۔ روایت میں ہے کہ ایک بار حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے والدِ بزرگوار حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام کے ہمراہ مسجد کوفہ میں تھے۔ انہیں پیاس لگی تو قنبر سے پانی لانے کو کہا، جونہی کم سن حضرت عباسؑ نے گوشِ مبارک میں اپنے محبوب بھائی کے الفاظ جو غلام سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے، پہنچے تو اُچھل پڑے اور اپنے آقا حسینؑ کے لئے وفادار خادم کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے خود پانی لانے کو دوڑے۔ جلد از جلد پانی لانے کی کوشش میں کوزۂ آب حضرت عباسؑ کے لباس پر گر گیا۔ اُن کے بلند مرتبہ والدِ بزرگوار نے مواعظہ بند کیا اور چشمہائے مبارک سے آنسو چھلک کر رخساروں تک آگئے۔

وفا شعار ساتھیوں نے اشکباری کا سبب دریافت کیا تو بابِ شہرِ علمِ نبیؐ واقفِ اسرارِ خفی مولا علیؑ کی زبانِ پاک سے وہ الہامی الفاظ جاری ہوئے جو بیس برس بعد حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئے "عباسؑ جس نے آج اپنے بھائی حسینؑ کی پیاس بجھانے کے شوق میں پانی سے لباسِ تن کو بھگو دیا ایک دن

اسی بھائی کے بچوں کی پیاس بجھانے کی کوششوں میں اپنے جسم کو اپنے ہی خون میں تر کر بن گئے

بے مثال جاں نثاری

اہلبیت رسولؐ کا قافلہ مدینہ نبیؐ سے روانہ ہوا تو پیکرِ وفا عباسؑ خامسِ آلِ عبا سیّد الشہدا حسین علیہ السلام کے ہمرکاب تھے۔ سائے کی طرح آپ کا ساتھ ہر قدم پہ ایک وفادار غلام اور جانباز سپاہی کی طرح خانوادۂ رسالتؐ کے افراد کی خدمت پر مستور تھا۔ امام عالی مقام کے ساتھیوں میں سے ہر فرد انہیں کمالِ محبّت اور عقیدت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

کربلا کے بے آب وگیاہ ریگستان میں جب دریا سے دُور خیامِ آلِ اطہار نصب کئے گئے تو یزیدی فوج کا سپہ سالار شمرؔ ذالجوشن خیمہ اطہر کی طرف بڑھا اور پوچھا کہ "کہاں ہیں میرے بھانجے، عباسؑ، عبداللہؓ، جعفر اور عثمانؓ! حضرت عباس علیہ السّلام نے کوئی جواب تک نہ دیا لیکن جب امام عالی مقام نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "بھائی! اگرچہ شمر فاسق و فاجر ہے مگر آپ کا رشتہ دار ہے۔ لہٰذا اسے جواب تو دیجئے" تو حضرت عباس علیہ السّلام نے شمر سے دریافت فرمایا کہ وہ کیا چاہتا

تھا۔ شمر نے جواب میں کہا کہ "اے میرے بھانجے! میں نے خصوصی طور پر عبیداللہ بن زیاد سے آپ کی سلامتی کی درخواست کی ہے۔ آپ حسینؑ کے ساتھ مرنا کیوں پسند کرتے ہیں؟ جاہ و حشم والے یزید کی فوج میں کیوں شامل نہیں ہوتے ہو؟ حق و صداقت کے پرستار عباسؑ غازی کی چاند سی پیشانی پر نفرت و غیظ سے شکنیں پڑ گئیں اور گرج کر بولے "تم پر اور تمہاری اس تجویز پر خدا کا قہر نازل ہو، او دشمن خدا! تم نے ہمیں ہمارے آقائے نامدار حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کی رفاقت ترک کر کے گمراہ اور بدکردار یزید کے ساتھ مل جانے کا مشورہ دینے کی جرأت کیسے کی؟" اس برجستہ جواب سے شمر کھسیانا ہو کر واپس چل دیا۔

حضرت عباس علمدارؑ کو یزیدی لشکر حمایت میں لاتے یا کم از کم اہلبیت رسولؐ سے الگ ہو کر غیر جانبدار رہنے کی ناپاک کوشش اور بھی کی گئی، کیونکہ یزیدی افواج کے سردار اچھی طرح شیرِ خدا کے شیر کی بے مثال شجاعت اور دلیری سے واقف ہو کر لرزہ بر اندام تھے۔

جریر بن عبداللہ کوفہ کے گورنر ابن زیاد کا ایک درباری مصاحب تھا۔ ابن زیاد پر کافی اثر رکھتا تھا۔ حضرت عباس علیہ السلام کی مادرِ گرامی جناب ام البنینؑ جریر کی ماموں زاد بہن تھیں۔ جریر کو یقین

تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُن کے تمام رفقاء کربلا میں بڑی بے رحمی کے ساتھ شہید کیئے جائینگے۔ اُسے یہ بات پسند نہ تھی کہ اس کے بھانجے عباسؑ، عبداللہؑ، جعفرؑ اور عثمانؑ بھی حضرت امام عالی مقام کے ہمراہ قتل کیئے جائیں گے۔ اس لیے اس نے ابن زیاد سے استدعا کی کہ اُس کے بھانجوں کی جان بخشی کی جائے۔ ابن زیاد نے جریر کی درخواست قبول کی تو جریر نے فوراً حضرت عباس علیہ السلام کو لکھا کہ وہ اپنے بھائیوں سمیت حضرت امام حسین علیہ السلام کو چھوڑ کر اپنی جانوں کے تحفظ کے لیئے ابن زیاد کے پاس تشریف لے آئیں کیونکہ حالات بہت نازک اور خطرناک ہیں۔ جریر نے عرفان نامی ایک معتبر قاصد کے ذریعے یہ خط حضرت عباسؑ غازی کی خدمت میں ارسال کیا۔ قاصد نے یہ خفیہ تحریر حضرت عباس علیہ السلام کی خدمت گرامی میں پیش کی لیکن جوں ہی یہ خط ملاحظہ فرمایا شیر ذوالجلال کے فرزند غصہ میں بے قابو ہو گئے اور اس کاغذ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے عرفان سے فرمایا کہ "جاؤ اور میرے ماموں جریر بن عبداللہ سے کہہ دو کہ ہم نواسۂ رسولؐ کی رفاقت ترک کر کے کبھی بھی ابن زیاد کی پناہ نہیں ڈھونڈیں گے۔ ہمیں صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی مدد درکار ہے۔ ہم اپنی جانیں اپنے محبوب آقا حسین علیہ السلام اور دین اسلام کے لیے خوشی سے فدا کرنے کو تیار ہیں" وہی ہمارے لیئے دائمی امن و سلامتی

کا ذریعہ ہے۔

جب یہ پیغام عرفان نے جریر بن عبداللہ کو پہنچایا تو وہ بہت مایوس اور غمگین ہوا۔ اُسے یقین کامل تھا کہ حضرت عباس علیہ السلام اس کی دعوت قبول فرمائیں گے لیکن وہ بھول رہا تھا کہ عباس دلاور کی رگوں میں شیر جبار حیدر کرار کا خون دوڑ رہا تھا جو اسلام اور محافظِ اسلام کو اپنی جان سے زیادہ پیارا سمجھتے تھے۔

عاشورہ کی بھیانک رات نمودار ہوئی۔ کربلا کے بھوکے پیاسے مسافروں اور اہلبیت اطہار کے سرفروش مجاہدوں کے لئے یہ خالق کائنات کی عبادت کی آخری رات تھی۔ عباس غازی اپنے خیمہ میں اپنی تیغ آبدار کو تیز کر رہے تھے کہ اُن کی معصوم بہن حضرت ام کلثوم علیہما السلام غمگین و اشکبار ان کے قریب تشریف لائیں اور فرمایا۔ "بھائی عباس مجھے اپنی محرومی قسمت پر رونا آتا ہے کہ آج جبکہ فرزند رسول یکہ و تنہا دشمنان دین کے نرغے میں گھرے ہوئے ہیں۔ میں اپنے مظلوم بھائی کے لئے کوئی قربانی پیش نہیں کر سکتی۔ حضرت زینب کبریٰ کے دو فرزند ہیں جن کو وہ دولہا بنا کر میدانِ قتال بھائی جان پر نثار ہونے بھیجیں گی۔ شہزادہ قاسم اپنے والدِ مکرم شہید زہر دغا امام حسن مجتبیٰ کی نمائندگی فرمائیں گے۔ جناب ام لیلیٰ

اپنے پارۂ جگر شبیہہ پیمبرؐ حضرت علی اکبرؑ کی قربانی پیش کر کے کل روزِ حساب شافعِ محشرؐ کے سامنے سرخرو ہوں گی، حتیٰ کہ بی بی ام ربابؑ اپنے شیر خوار بچے ننھے سے مجاہد علی اصغرؑ کے خون سے تاریخ عالم میں ایک بے مثال قربانی کا نیا باب مرتب کر دیں گی۔ لیکن آہ میری کوئی اولاد نہیں اور عورتوں سے جہاد ساقط ہے۔ زمانہ اُن بہادر خواتین کو ہمیشہ یاد رکھے گا اور اُن کی توصیف و ثنا کرے گا مگر میرا کوئی نہیں جس کو آج قربانی کے دن میں اپنی طرف سے پیش کر سکوں"۔ یہ سُن کر حضرت عباس علیہ السّلام نے اپنی غمزدہ بہن کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا "اے میری پیاری بہن! آپ نے بچپن سے مجھے پالا ہے اور بچوں کی طرح میری پرورش فرمائی ہے۔ آپ کی طرف سے میں اپنی جان کی قربانی پیش کروں گا"۔ حضرت اُمِ کلثومؑ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور کمالِ محبت و عقیدت سے بھائی کے چہرے کو تکتی رہیں اور "میرے بھائی! تمہاری اس شانِ وفا کے نثار" کہہ کر اُٹھیں۔

صبح عاشور جب شمع امامت پر غازیان دین پروانہ وار نثار ہو کر خون میں نہانے کا شرف حاصل کرنے کے لئے ایک سے ایک پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت ام کلثومؑ اپنے بھائی جعفر ثانیؑ حیدر کرار کی نشانی عباس علیؑ کو ساتھ لے کر مظلوم کربلاؑ کی خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئیں اور کمالِ عجز و انکسار

کے ساتھ التجا کی جبکہ اُن کا سر فخر سے اونچا تھا۔ "آقا! بھائی عباسؑ کو میری طرف سے آپ کے لئے رزمگاہ میں جاکر دادِ شجاعت دینے کی اجازت عطا فرمایئے یہ آپ کے لئے اور اسلام کے لئے میری قربانی ہوگی۔"

مظلوم حسینؑ نے اپنے قوّت بازو بھائی، فوج کے علمدار کی طرف حسرت بھری نگاہ سے دیکھا مگر خاموش رہے۔ آخر کار بہت تامّل کے بعد پیاس سے بلکتے ہوئے معصوم بچوں کے لئے پانی لانے کی اجازت عطا فرمائی تو عباس دلاورؑ ایک چھوٹا سا سوکھا مشکیزہ اور علم لے کر میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہوئے۔

فرات

تمام عرب میں حضرت عباس علیہ السّلام کی عظیم شخصیت اور دلاوری کی شہرتِ عام کی وجہ سے دشمنوں کے دل میں پہلے ہی خوف سا طاری تھا۔ جوں ہی یہ شیر غرّان میدانِ جنگ میں جعفری شان اور حیدریؑ آن بان سے جھومتا ہوا نمودار ہوا زمین لرزنے لگی جنگ آزما شامی سورماؤں کے دِل سینوں میں دہلنے لگے۔ ہزاروں نیزہ بردار تیر اندازوں اور جنگجو سپاہیوں کو للکارتے ہوئے فوجِ حسینیؑ کے علمدارؑ نے اسطرح

رجز خوانی فرمائی ـ " ہم قبیلہ بنی ہاشمؑ کی تلواریں ہیں جو تم سب
کا خون بہانے کے لئے تیز دھار والی تلواروں سے زیادہ تیز ہیں۔
اے مخالفانِ حق کے فرزندو! افسوس اگر ہمارے جدّ بزرگوار
جناب رسولِ خداؐ زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ان کے اہلبیت اور
آل اطہارؑ پر کیا کیا مصیبتیں ڈھائی جا رہی ہیں تو ان کو یقیناً
تم لوگوں سے شرم آجاتی۔ تلواروں کے سائے میں ایسی موت
قابل فخر ہے جس کا پھل جنّت ہو ـ لعنت ہو اس ناپائیدار
دنیا اور اس کے عارضی عیش و آرام پر۔ تم سب جہنّم کی دہکتی
آگ میں بھونے جاؤ گے "

زبانِ حق بیان سے یہ الفاظ سُن کر دشمنوں نے چاروں
طرف سے گھیر کر حملہ کر دیا۔ لیکن عباس غازیؑ اُن بزدلوں کی
صفوں کے سامنے جوانمردی اور جرأت سے ڈٹ گئے۔ وہ
تنہا تھے اور مقابل ہزاروں، مگر ثانی حیدر کرارؑ شیر ببر کی گرج
کر دشمنان دین کی ٹڈی دل فوج پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ
جو بھی سامنے آیا تہِ تیغ ہوا۔ لاشوں کے پشتے لگ گئے۔

عمر بن سعد کی فوج میں ایک شخص تھا جس کا نام
مزید بن صدلیف تھا۔ اس نے دیکھا کہ صاحب ذوالفقار
کا دلاور فرزند تن تنہا ہزاروں صف شکن فوجیوں میں
تہلکہ مچا رہا ہے۔ اور یزیدی فوج کے بہترین سپاہیوں کو موت

کے گھاٹ اُتارا جا رہا ہے تو وہ آپے سے باہر ہو کر اپنی فوج کو غیرت دلانے لگا کہ "حیف ہو تم سب پر، کس قدر شرم کا مقام ہے کہ ایک ہاشمی اس قدر تباہی مچا رہا ہے، وہ یکہ و تنہا ہے اور ہم بے شمار ہیں۔ ہماری لاتعداد فوج کی بے پناہ قوت کو دیکھو۔ اگر تم میں سے ہر ایک صرف ایک مٹھی ریت اُٹھا کر ان کے چہرے پر پھینکے تو وہ مٹی کے تلے دب جائیں گے اُن کا دم گھٹ جائے گا۔ تم سب بزدل ہو ڈرپوک ہو۔ جاؤ تم سب واپس لوٹ جاؤ میں اکیلا (حضرت) عباسؑ سے جنگ کروں گا اور ان کو آناً فاناً قتل کر دوں گا۔" اس طرح بڑ بڑاتے ہوئے وہ دشمنِ خدا جسے اپنی بہادری پر گھمنڈ اور غرور تھا ایک بڑا سا برچھا ہاتھ میں لئے عباس علمدارؑ کی طرف بڑھ کر حملہ آور ہوا۔ شیرِ خدا کے شیر نے بھی متکبر سپاہی مرید بن صدلف کی قوت، جنگی مہارت اور دلیری کو آزمانے کے لئے اپنے گھوڑے کو حرکت دی۔ بدزبان مرید نے جوشِ غرور میں مست تھا گستاخانہ انداز میں کہا کہ "اے عباس! واپس چلے جائیے اور مجھ جیسے صف شکن بہادر سے مقابلے کا خیال ترک کر دیجئے۔ کیونکہ مجھے آپ کی نوجوانی پر ترس آتا ہے۔ خیال رکھئے کہ اب تک جن بزدلوں نے آپ کا مقابلہ کیا اور آپ آسانی سے اُن کو تہہ تیغ کر سکے اُن میں جنگی صلاحیت

نہ تھی۔ آپ ذہن نشین کیجئے کہ مجھ جیسے قوی ہیکل، جری جنگجو کے سامنے آپ کی کوئی ہستی نہیں۔ عقلمند کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔ اگر اپنی سلامتی چاہتے ہیں تو واپس لوٹ جایئے۔

ماہ بنی ہاشم عباس علمدار نے مرید بن صدلیف کے کلام کو شروع سے آخر تک تحمل کے ساتھ سنا اور جب وہ کہہ چکا تو آپ نے کمال جرأت و دلیری سے فرمایا کہ "او دشمنِ خدا! تمہاری باتوں سے اتفاق کرنا قطعی ناممکن ہے۔ تم مجھے مٹا نہیں سکتے بلکہ خود فنا ہو جاؤ گے۔ وہ لوگ جو خدا کی راہ میں مٹتے ہیں ہمیشہ کی زندگی پاتے ہیں اور جو خدا کے خلاف لڑتے ہیں ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ رحمتیں ہوں اُن پر جو خدا کی خوشنودی کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ یقین رکھو کہ تم مجھے بہکا کر گمراہ نہیں کر سکتے۔ سرورِ کائنات کے ساتھ میرے تعلقات کا تمہیں بھی علم ہے۔ شیرِ کردگار علی مرتضےٰ کا فرزند نہ تو گھبرا سکتا ہے اور نہ میدان میں پیٹھ دکھا سکتا ہے۔ وہ باطل کی قوتوں کے سامنے کبھی سرِ خم نہیں کرے گا۔ دشمن کتنا ہی دلیر اور جری کیوں نہ ہو وہ کبھی خائف نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھو کہ انسانی عظمت کا راز ذات ذوالجلال پر پختہ ایمان رکھنے ہی میں ہے جس حال میں اللہ رکھے انسان کو ہمیشہ اس کا شکر گزار رہنا چاہیئے۔ اس کی رضا پہ راضی رہنا ہی ایمان

کی علامت ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے ہمیشہ بہتر اور افضل ہوتا ہے۔ ہمیں اس کی منشا پہ کبھی ناخوش نہیں ہونا چاہیئے۔ مجھے پوری طرح احساس ہے کہ مجھ پر کیا گزرے گی۔ میں دنیا کے کھو جانے پہ نہ تو روؤں گا اور نہ ہی موت آنے پر اس سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ بلکہ اگر خدا کی راہ میں موت ملے تو میں خوشی سے اس کا خیر مقدم کروں گا کیونکہ جنت اس دنیا سے بدرجہا بہتر اور آرام کا مسکن ہے۔ یہ دنیا رہنے کے قابل جگہ نہیں۔ خوشی نصیب ہے وہ جو اسلام کے لئے اپنی جان نثار کردے۔"

مرید بن صدیق کو ایک ایسے غازی کی زبان سے جو بالکل تنہا یزید کی کثیر فوج کے مسلح سپاہیوں کے درمیان گھرا ہوا تھا ایسے بے باکانہ جواب کی ہرگز توقع نہ تھی۔ اسے افسوس ہوا کہ اس کی اپیل کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اور ایسے نازک خطرناک موقع پر حضرت عباس علیہ السلام کی بے مثال دلیری اور جوانمردی سے حیران و ششدر رہ گیا۔ علمدار کربلاؑ پرسکون، مطمئن اور باحوصلہ تھے۔ مرید نے موقع و محل کی نزاکت کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا۔ پلک جھپکنے میں اس نے برچھی سے حضرت عباسؑ پر حملہ کر دیا لیکن ان کے پائے عزم میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ انہوں نے برچھی کو

اس قدر زور سے کھینچا کہ مرید جو اپنی جسمانی قوت اور فنِ سپہ گری کے زعم میں مست اور اپنی بہادری پر نازاں تھا نہ صرف برچھی کی گرفت بلکہ زین کا توازن بھی کھو بیٹھا۔ شیرِ خدا ؑ کے شیر نے اُس ملعون کے ہاتھ سے برچھی ایک ہی جھٹکے میں چھین لی اور مرید دھڑام سے زمین پر آگرا۔ فوراً ہی علمدار کربلا ؑ کی شمشیرِ آبدار نے اس ملعون کے گھوڑے رہوار کو زخمی کر کے سواری کے قابل نہ رکھا۔ شمر ذی الجوشن جو اپنے قوی ہیکل ماہر فن سردار کے جنگی کارنامے کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اس غیر متوقع ذلت آمیز صورت حال سے گھبرا گیا اور مرید کے ایک وفادار غلام سارقہ کو پکار کر کہا اپنے آقا کے لیے فوری طور پر دوسرا تیز گام گھوڑا مہیا کرنے کو کہا۔ سارقہ نے حکم کی بلا تامل تعمیل کی جس وقت بدحواس مرید نے اپنے غلام کو گھوڑا لاتے دیکھا تو چلّایا کہ "جلدی آؤ ایسا نہ ہو کہ موت آگھیرے"۔

حضرت عباس ؑ نے اُسی برچھی سے جو مرید سے چھینی تھی غلام پر وار کر کے اس کو چشم زدن میں ڈھیر کر دیا۔ اس کے بعد علمدار کربلا ؑ مرید کی طرف بڑھے، اُن کو اپنی طرف متوجہ پا کر مرید خوف و ہراس سے مغلوب اور زندگی سے مایوس ہو کر چلّایا کہ "افسوس عباس ؑ مجھے میری ہی برچھی سے ہلاک کر دیں گے"۔ شمر نے جب عجیب صورت حال کو

دیکھا تو اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا سنان بن انس
خولی بن یزید اصبحی اور جمال بن مالک حجازی اس کے ہمرکاب
ہوئے۔ پھر یزیدی فوج کا پورا دستہ ہاتھوں میں برہنہ تلواریں
تانے اُن کے پیچھے چل پڑا۔ لیکن اس سے قبل ہی کہ ان
حمائیوں کی مدد مرید کو ملتی عباسؑ غازی نے اس کی برچھی کی
ایک ضرب سے مرید کے ہاتھ کو زخمی کر دیا۔ مرید نے بے بسی
کی حالت میں حضرت عباسؑ سے جان بخشی کی استدعا کی اور
وعدہ کیا کہ "اگر آپ مجھے زندہ چھوڑ دیں تو تاحیات آپ کا
غلام بن کے رہوں گا" لیکن ایسے موقع پر بد عہدوں کے
وعدوں کی حقیقت کو سمجھنے والے غازی نے برچھی کی نوک
مرید کے کان پر اس زور سے لگائی کہ وہ سر کے پار دوسرے
کان سے نکل پڑی۔ مرید کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور وہ
اسی طرح دم توڑ گیا۔ یہ درحقیقت ایک لرزہ خیز موت تھی۔
اس کے بعد حضرت عباس علیہ السلام ان فوجی
دستوں کی طرف متوجہ ہوئے جو دریائے فرات کی پہرہ داری
پر متعین تھے۔ حضرت عباس علیہ السلام نے سینکڑوں کو
موت کے گھاٹ اتارا، اور باقی اپنی جان بچانے کے لئے
بھاگ نکلے۔ حضرت عباسؑ دریائے فرات کے کنارے پہنچے
اور مشک کو پانی سے بھرنے لگے۔ مشک کو پر کر کے آپ نے

اپنے دونوں چلوؤں میں پانی بھر کر اپنے خشک لبوں تک لاکر یہ خیال آتے ہی پھینک دیا کہ وہ کیسے پیاس بجھائیں گے جبکہ حضرت سکینہ اور معصوم بچے پیاس سے تڑپ رہے ہوں۔ اور گلشن رسالت کی معصوم کلیاں پانی کی ایک بوند کے لئے مرجھا رہے ہوں۔

حضرت عباسؑ نامدار نے اپنا گھوڑا ابھی دریا کی ترائی میں کھلا چھوڑ دیا تاکہ یہ بے زبان پانی سے سیر ہو، مگر واہ رے وفاداری! پیاسے گھوڑے نے بھی لب تر نہ کئے اور اپنے آقاؑ کی طرح خشک لب ہی دریا سے نکل آیا۔ حضرت عباسؑ نے پانی سے بھری مشک اٹھائی اور اپنے کندھوں پر لٹکالی۔ پھر اُچھل کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اس خیال سے کہ جتنی بھی جلدی ہو سکے خیمۂ اہلبیت میں پیاسے بچوں تک پانی پہنچا دیا جائے جو بے تابی سے انتظار میں ہوں گے۔ انہوں نے خیمۂ اطہر کا رُخ کیا۔

ہزاروں تیر انداز اور دوسرے سپاہی جو گھبرا کر فرات کے کنارے سے بھاگ گئے تھے اتنے عرصہ میں دوبارہ جمع ہوئے اور انہوں نے ہلہ بول کر علمدارِ کربلاؑ کو روکنے کی کوشش کی تاکہ پانی پیاسوں تک نہ پہنچ سکے۔ یہ ایک خونریز معرکہ تھا مگر عباس غازیؑ ہمت ہارنے والے نہ تھے۔ لاتعداد

دشمنوں کے نرغے میں وہ اکیلے تھے پھر بھی علمدارِ کربلاؑ نے وہ جنگ لڑی کہ رہتی دنیا تک صفحۂ تاریخ پر بے مثال رہے گی۔

ریگ زارِ کربلا پر خون!

کربلا کا وسیع چٹیل میدان خون سے لت پت تھا۔ فرات کے کنارے ترائی میں ایک جوان رعنا پڑا ہوا تھا جس کے بے شمار زخموں سے خون فواروں کی طرح پھوٹ رہا تھا۔ اس حال میں وہ مجروح کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ بدن زخموں سے چور چور تھا۔ دونوں شانے جسم اطہر سے جدا ہو چکے تھے۔ پیشانی انور گرزِ گراں کی ضرب سے پاش پاش تھی۔ خون میں نہائے ہوئے جرار سپہ سالار کے نزدیک خاکِ پاک کربلا پر عظمت اسلام کا پرچم اور پیاس بھتیجی کی تیروں سے چھدی مشک پڑی تھی۔ سوکھے ہوئے گلے سے دھیمی آواز میں وہ کسی کو پکار رہا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ جب موت قریب آجاتی ہے تو انسان کے چشمِ تصور میں ابتدا سے آخر تک کے واقعات یکے بعد دیگرے آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ریگ زارِ کربلا کی جلتی ریت پر پڑے ہوئے فوجِ حسینیؑ کے سپہ سالار عباسؑ علمدار

کی نگاہوں میں مسجد کوفہ میں اپنے آقا حسینؑ کی پیاس بجھانے کے لئے پانی لانے کے لئے دوڑنا اور وقت آخر بابا علی مرتضےٰؑ کا انہیں حسینؑ مظلوم کے حوالے کرنا، شمر ملعون کا پناہ دینے کی کوشش کرنا، جبیر بن عبداللہؓ کا خط اور ایسے ہی کتنے واقعات کی تصویریں نگاہوں میں گھوم رہی ہوں گی۔ جن کا آخری سلسلہ تین دن کی پیاس سے بلکتی ہوئی سکینہؑ کا سوکھی ہوئی مشک دے کر دریا سے پانی لانے کی فرمائش — ! وہ پانی جو پیاسوں تک نہ پہنچا سکے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ اپنے بھائی حسینؑ کی بیکسی اور تنہائی کا خیال آرہا ہوگا۔

تشریف لائیے میرے آقا!

ایک بار پھر خشک لبوں پر آقائے نامدار حسینؑ مظلوم کا نام آیا۔ اَدْرِکْنِیْ یَا اَخِیْ کی نحیف صدا ہونٹوں پر تھی کہ خامسِ آلِ عباؑ، راکبِ دوشِ نبیؐ، نورِ دیدہ علیؑ، جگر بندِ زہراؑ مظلوم کربلا حسینؑ خیمہ اطہر سے بے قرار ہوکر نکل پڑے — آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا تھا۔ قوتِ بازو بھائی کی لاش پہ پہنچنے کے لئے ذوالجناح کا رُخ دریا کی طرف کر دیا۔ جہاں سیاہ دِل شامیوں کے لشکر کے نرغے میں شیرِ خداؑ کا شیر خاکِ پاکِ کربلا پر

پڑا اُن کی آمد کے لئے چشم براہ تھا۔
ستم شعاروں نے امام عالی مقام کو آتا دیکھ کر وہاں سے بھاگ جانے میں سلامتی سمجھی اور صابر بھائی دم توڑتے ہوئے جوان بھائی کی لاش پر پہنچ گیا۔ عباسؑ دلاور کی خون میں ڈوبی ہوئی تصویر دیکھ کر گھوڑے سے اُترے اور جھلستی ہوئی گرم ریت پر بیٹھ گئے۔ قمرِ بنی ہاشم (عباسؑ) کی خون میں نہلائی صورت کو نگاہ حسرت سے دیکھا۔ مجروح لبوں میں ایک بار پھر جنبش ہوئی۔ سرِ مبارک کو کمالِ شفقت سے تاجدار کربلا نے اپنے زانوں پر رکھ کر غور سے سُنا۔ حضرت عباسؑ علیہ السلام ثانی جعفر طیارؑ فرزند حیدر کرارؑ حسینیؑ فوج کا بہادر سپہ سالار دادِ شجاعت دے کر تپتی ہوئی ریت پر اپنے خون میں شرابور پڑا ہوا تھا۔ مجسمہ وفا پیکر صدق وصفا بھائی نے پھر لب ہلائے "۔ آقا! تشریف لے آئیے آپ! خدا کا شکر ہے کہ یہ حسرت پوری ہوئی۔ میرے آقا! دنیا میں آنکھیں کھولتے ہی سب سے پہلے میں نے آپ کے چہرۂ پرنور کی زیارت کی تھی اس وقت میری روح میرے صدپارہ جسم سے پرواز کرنے والی ہے، دم آنکھوں میں آگیا ہے چاہتا ہوں کہ آخری دیدار کرلوں مولاؑ! لیکن میری ایک آنکھ تیر سے بیکار ہو چکی ہے اور دوسری آنکھ میں خون بھرا ہے اگر آپ خون صاف فرمادیں تو یہ حسرت

نکل جائے۔ دوسری خواہش یہ ہے کہ میری لاش خیام اہلبیت میں نہ لے جائیں آقاؑ! میں نے بی بی سکینہؑ سے پانی لانے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وعدہ پورا نہ کر سکا، میری لاش بھی اُن سے شرمسار ہوگی۔ آپ آج طلوعِ فجر سے ایک کے بعد دوسرا صدمہ سہتے آرہے ہیں، میری لاش اُٹھانے کی زحمت نہ فرمائیں۔ ایک اور خواہش ہے مولاؑ! کہ بی بی سکینہؑ کہیں میری لاش پر نہ آجائے۔ اس کا ننھا سا دِل میری زخموں سے چُور (لاش) اور کٹے ہوئے بازو اور تیروں سے چھلنی بدن کو دیکھنا برداشت نہ کرے گا"۔ پیکرِ صبر و رضا حسینؑ نے یہ سب کچھ سُنا اور وعدہ فرمایا کہ بھائی کی یہ فرمائش پوری کریں گے۔

بھائی! میرے بھائی!

تاجدارِ انبیاءؐ کا دُلارا خاتونِ جنتؑ کی آنکھوں کا تارا حسینؑ بے یار و مددگار رہ گیا تھا، جوان بھائی کی مفارقت نے کمر توڑ دی۔ مجسمۂ وفا قوتِ بازو بھائی کی حالت پہ ضبط نہ کر سکے۔ چشم ہائے مبارک نم ہوئیں اور ایک آہِ دلدوز کے بعد فرمایا" عباسؑ! میری بھی ایک خواہش ہے۔ آپ نے بچپن سے مجھے ۴ بھائی کے نام سے پکار لو"۔ صابر امامؑ جو ہر شہیدِ راہِ خدا کی لاش اُٹھا کر لاتے اور سجدۂ شکر بجا فرماتے۔ اُن کی

۴ ہمیشہ آقا کہہ کے پکارا ہے۔ اب تو ایک با

آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور رسول الثقلینؐ کی عبائے مبارک سے جو اُن کے زیب تن تھی عباسؑ نامدار کی پیشانیٔ اقدس سے خون کو صاف فرماتے رہے۔

ثانیٔ جعفر طیارؑ (حضرت عباس علیہ السلام) نے آنکھیں کھولیں اور امام عالی مقامؑ کے روئے انور پر نگاہیں جمادیں۔ زخمی لب ہلے ــ "میرے بھائی! میرے بھائی!" ــ مظلوم کربلاؑ نے فرطِ محبت میں باہیں گلے میں ڈال دیں اور رُوح پاک جسدِ پاش پاش سے پرواز کر گئی ــ

فرات کا پانی سیاہ نظر آنے لگا، اس کی موجیں بیقرار ہو کر کناروں سے سر ٹپکنے لگیں گویا ایک تشنہ لب آبدار کو لب دریا ذبح کئے جانے کے خلاف احتجاج کر رہا ہو ــ